صرف سات منٹ کی جنگ

تحریر: سہیل احمد لون

معیارِ زندگی بہتر بنانے کے لیے ہر شخص اپنی معاشی حالت مضبوط بنانے میں سرگرداں رہتا ہے جس کے لیے وہ اپنی عقل و دانش، وسائل اور طاقت کا استعمال کرتا ہے۔ نظامِ زندگی چلانے کے لیے ہر ''شریف'' اور ''بدمعاش'' کا کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش لازمی ہوتا ہے۔ کھیتی باڑی، بیوپار اور چاکری حصول رزق کے تین اہم بنیادی ذرائع ہیں۔ کسی ملک یا ریاست کے نظام کی عمارت کی بنیاد معیشت پر ہوتی ہے۔ جرمنی، جاپان، چین، کوریا وغیرہ کی معیشت کا دارومدار صنعت و تجارت، برطانیہ کی معیشت کا انحصار درس گاہوں، پاکستان، بھارت کا زرعی اجناس پر ہے۔ بعض ممالک کی معیشت کا انحصار سیر و سیاحت پر ہوتا ہے۔ سعودی عرب سمیت مشرقِ وسطیٰ کے چند ممالک تیل کے ذخائر سے مالا مال ہیں۔ امریکہ بہادر (جو اپنے آپ کو انسانی حقوق کے علمبرداروں کا کپتان تصور کرتا ہے) کی معیشت کا دارومدار اسلحہ، جنگی سامان، مہلک ہتھیار کے بیوپار پر ہے۔ دنیا کے کسی بھی خطے میں جنگ گرم ہو یا سرد امریکہ بہادر اپنا بھرپور حصہ ڈال کر سپر پاور ہونے کا ثبوت دینے کی کوشش کرتا ہے۔ براک اوبامہ انتظامیہ حالیہ دنوں شام میں فوجی مداخلت کرنے کے لیے پر تول رہی ہے، اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل، نیٹو فورسز نے فی الحال اوبامہ کا ساتھ دینے میں رضامندی ظاہر نہیں کی۔ روس، چین، جرمنی، فرانس سمیت دیگر ترقی یافتہ ممالک کے سربراہان اور عوام نے بھی اوبامہ کے فیصلے کا خیر مقدم نہیں کیا۔ گزشتہ جنگوں میں امریکہ کا داہنہ ہاتھ بننے والے برطانیہ کی حمایت بھی (باوجود کیمرون کی خواہش کے) حاصل نہ ہو سکی۔ G20 کی حالیہ کانفرنس میں بھی اوبامہ کو اپنے اس فیصلے پر شدید ردِ عمل کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمان چاہے کسی فرقے کا ہو کہیں بھی رہتا ہو اس کا قبلہ و کعبہ سعودی عرب میں ہے مگر سعودی شاہوں نے اپنا رخ وائٹ ہاؤس کی جانب کیا ہوا ہے۔ گزشتہ دو تین دہائیوں میں امریکہ کو اپنے جنگی عزائم پورے کرنے میں سب سے زیادہ معاونت اسلامی مرکز کے تاجداروں نے دی۔ امریکہ کو شام میں فوجی مداخلت کے لیے سعودی عرب کی نہ صرف حمایت حاصل ہے بلکہ بھرپور مالی معاونت بھی، حیرت ہے وینزویلا غریب ممالک کی حمایت حاصل کرنے کے لیے امریکہ کی مخالفت مول لے کر انکو سستے داموں تیل فروخت کرتا ہے مگر ہمارے تیل کے ذخائر رکھنے والے اسلامی ممالک غریب اسلامی ممالک کو سستا تیل دینے کی بجائے ان کا ''تیل'' نکالنے کے چکر میں ہوتے ہیں۔ سعودی شاہوں کے علاوہ امریکہ بہادر کو اسرائیل کی بھی بھرپور حمایت حاصل ہے۔ سعودی شاہوں کا رخ وائٹ ہاؤس اور سفید مکان کے مکین اسرائیل کی خواہشوں کے اسیر ہیں۔ کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال سے انسانی جانوں کے ضیاع کی تکلیف کا تو بہانہ ہے، شام کی موجودہ حالت کے پس پردہ ذمہ داران ہی اب فوجی کارروائی کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ شام کا ایران کے ساتھ دفاعی معاہدہ، روس کے ساتھ مضبوط سفارتی تعلق، شام کے ساحل پر روسی بحریہ کے اڈے، جدید ہتھیاروں اور جنگی سامان کا روس سے بیوپار...... بھلا اسرائیل، امریکہ اور سعودی عرب کو کیسے ہضم ہو سکتا ہے؟ امریکی اسلحہ بیچنے والے ادارے کسی قیمت نہیں چاہتے کہ ان کے مقابل کوئی یہ

بیوپار کرے، اپنا اسلحہ زنگ آلود ہونے سے قبل کیش کروانا چاہتے ہیں۔اسرائیل کسی صورت یہ برداشت نہیں کرتا کہ مشرق وسطی، عرب اور جنوبی ایشیاء میں کوئی ملک اس کا حریف بننے کے قابل ہو۔عراق، مصر، لیبیا، شام، ایران یا پاکستان میں کسی ملک میں نقصان ہو تو اس کا فائدہ امریکہ کو ہو نہ ہو مگر اسرائیل کو سکون ضرور ملتا ہے۔شام میں فوجی مداخلت کے لیے اوبامہ انتظامیہ کو اسرائیل اور سعودی شاہوں کی حمایت ہی کافی ہے نیٹو فورس کے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے فوجی کارروائی کا انداز بدل سکتا ہے۔مگر امریکہ بہادر کو شام میں فوجیں اتارنے سے قبل یہ سوچ لینا چاہیے کہ اس مرتبہ عراق، افغانستان، جیسے حالات نہیں ہیں۔جنگ کا سلسلہ صرف شام تک ہی محدود نہیں رہے گا بلکہ دیگر ممالک بھی اس کی پلیٹ میں آ جائیں گے، جو تیسری عالمی جنگ کی صورت بھی اختیار کر سکتی ہے۔گزشتہ تین دہائیوں میں سرد اور گرم جنگوں نے دنیا میں معاشی ابتری پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔شام پر حملے کی صورت میں دنیا میں شدید معاشی بحران پیدا ہو گا، فرقہ واریت اور دہشت گردی میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا، بہت سے شدت پسند، انتہا پسند گروہ پیدا ہو جائیں گے، تیل کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ ہو گا بلکہ تیل کی قلت بھی ہو گی۔اگر ایران (Straight of Hormuz) ہرمز جو خلیج ایران اور خلیج عمان کے درمیان ہے ایک ماہ کے لیے تیل کی سپلائی معطل کر دے تو ایک دن میں دنیا میں تیل کی فراہمی 20% کم ہو جائے گی۔جس سے تیل کی قیمتوں میں تین ماہ کے اندر کم سے کم 75% اضافہ ہو سکتا ہے۔نقل و حمل کا نظام بری طرح متاثر ہو گا، امریکہ کا ساتھ دینے کی صورت میں یورپی ممالک کو روس سے قدرتی گیس کی فراہمی میں کمی یا معطلی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس سے ان کی انڈسٹریز بہت متاثر ہو سکتی ہیں۔چین امریکی جارحیت کے حق میں نہیں تو امریکہ کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اس وقت چین عالمی منڈی میں نمبرون امپورٹر اور ایکسپورٹر ہے اگر چین چند گھنٹے کے لیے عالمی منڈی سے باہر بیٹھ جائے تو امریکہ سمیت کئی ممالک کی معیشت بیٹھ جائے گی۔ڈالر کی قدر میں بہت تیزی سے کمی آئے گی۔توانائی کے بحران اور ڈالر کی قدر میں کمی سے چیزوں کی قیمتوں میں بہت فرق آئے گا، بے گھر افراد میں بہت اضافہ دیکھنے کو ملے گا۔دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑنے والوں کو حقیقی معنوں میں دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑے گا، مذاہب کے درمیان خلیج بڑھے گی۔امریکہ بہادر کو انسانی حقوق کا اگر اتنا ہی فکر ہے تو سب سے پہلے اپنا گھر درست کرے۔گزشتہ 3 دہائیوں میں امریکہ میں قیدیوں کی تعداد میں 500فیصد اضافہ ہوا ہے۔سٹریٹ کرائمز میں دنیا میں امریکہ پہلے نمبر پر ہے ۔ انسانی جان بچانے (Life saving druds) والی ادویات یا پیچیدہ امراض کی تشخیص کے لیے امریکہ نے اپنے وسائل کو بروئے کار لا کر اتنا کام نہیں کیا جتنا جان لیوا مہلک کیمیائی ہتھیار، جنگی ساز و سامان تیار کر کے اس کو بیچنے یا بے گناہ انسانی جانیں لینے کے لیے استعمال کیا ہے۔کشکول توڑنے کی باتیں کرنے والوں نے تو اپنی جھولی میں کڑی شرائط پر 6.6بلین ڈالر کا قرضہ منظور کروا لیا ہے۔جھولی پھیلانے والوں میں خودی نام کی چیز کا تصور نہیں ہوتا جہاں خودی نہ ہو وہاں خودمختاری کا وجود ہی نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے ہم اپنی باری کا انتظار تو کر سکتے ہیں مگر امریکہ بہادر کی مرضی کے خلاف سرکاری بیان جاری نہیں کر سکتے۔اگر شام میں ''امریکن گردی'' ہوتی ہے تو تیسری عالمی جنگ کے خطرے کو رد نہیں کیا جا سکتا جس کے بعد امریکہ پر معاشی بحران کی ایسی ''گرد'' جمے گی جس سے امریکہ تیسری دنیا میں چلا جائے گا۔معیشت مستحکم رکھنے کے لیے امریکہ گردی کی بجائے مثبت اقدام کی طرف توجہ دینی چاہیے۔کسی انسان کے ''شریف'' یا ''بدمعاش'' ہونے کا فرق اس کے ذریعہ معاش سے

کیا جاتا ہے۔امریکہ کا معاشی محور ہی اسلحہ و بارود ہے۔امریکہ کو جنگی جنون سے نکل کر اپنے معاشی محور پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔اور اگر امریکہ دنیا کو جدید ترین اسلحہ سے متعارف کروانے سے بعض نہ آیا تو وہ دن دور نہیں جب یہ زمین کسی بھی ایٹمی جنگ کی نذر ہو کر اپنے محور سے نکل جائے گی صرف سات منٹ میں......!!!

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

06-09-2013.